

# خلافت اور ملوکیت کا فرق

ابوالاعلیٰ مودودی

(۲)

قانون کی بالاتری کا خاتمہ سب سے بڑی مصیبت جو ملوکیت کے دور میں مسلمانوں پر آئی وہ یہ تھی کہ اس دور میں قانون کی بالاتری کا اصول توڑ دیا گیا، حالانکہ وہ اسلامی ریاست کے اہم ترین بنیادی اصولوں میں سے تھا۔

اسلام جس بنیاد پر دنیا میں اپنی ریاست قائم کرتا ہے وہ یہ ہے کہ شریعت سب پر بالا ہے۔ حکومت اور حکمران، راعی اور رعیت، بڑے اور چھوٹے، عوام اور خواص، سب اُس کے تابع ہیں۔ کوئی اُس سے آزاد یا مستثنیٰ نہیں اور کسی کو اس سے سہٹ کر کام کرنے کا حق نہیں دست ہو یا دشمن، حربی کا فر ہو یا معاہدہ، مسلم رعیت ہو یا ذمی، مسلمان و فادار ہو یا باغی یا برسرِ جنگ غرض جو بھی ہو شریعت میں اُس سے بڑا نہ کرنے کا ایک طریقہ مقرر ہے جس سے کسی حال میں تجاوز نہیں کیا جاسکتا۔

خلافت راشدہ اپنے پورے دور میں اس قاعدے کی سختی کے ساتھ پابند رہی، حتیٰ کہ حضرت عثمان اور حضرت علی نے انتہائی نازک اور سخت اشغال انگیز حالات میں بھی حد و شریع سے قدم باہر نہ رکھا۔ ان راست رو خلفاء کی حکومت کا امتیازی وصف یہ تھا کہ وہ ایک حدود آشنا حکومت تھی نہ کہ مطلق العنان حکومت۔

مگر جب ملوکیت کا دور آیا تو بادشاہوں نے اپنے مفاد، اپنی سیاسی اغراض، اور خصوصاً اپنی حکومت کے قیام و بقا کے معاملہ میں شریعت کی عائدگی کو کسی پابندی کو توڑ ڈالنے

اور اس کی باندھی ہوتی کسی حد کو بچا نہ جانے میں تامل نہ کیا۔ اگرچہ ان کے عہد میں بھی مملکت کا قانون اسلامی قانون ہی رہا۔ کتاب اللہ و سنت رسول اللہ کی آئینی حیثیت کا ان میں سے کسی نے کبھی انکار نہیں کیا۔ عدالتیں اسی قانون پر فیصلے کرتی تھیں، اور عام حالات میں سارے معاملات شرعی احکام ہی کے مطابق انجام دیئے جاتے تھے۔ لیکن ان بادشاہوں کی سیاست دین کی تابع نہ تھی اُس کے تقاضے وہ ہر جائز و ناجائز طریقے سے پورے کرتے تھے، اور اس معاملہ میں حلال و حرام کی کوئی تمیز روا نہ رکھتے تھے۔

حضرت معاویہ کے عہد میں | یہ پالیسی بھی حضرت معاویہ کے عہد ہی سے شروع ہو گئی تھی۔

امام زہری کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور چاروں خلفائے راشدین کے عہد میں سنت یہ تھی کہ نہ کافر مسلمان کا وارث ہو سکتا تھا، نہ مسلمان کافر کا حضرت معاویہ نے اپنے زمانہ حکومت میں مسلمان کو کافر کا وارث قرار دیا اور کافر کو مسلمان کا وارث قرار نہ دیا حضرت عمر بن عبدالعزیز نے اگر اس بدعت کو موقوف کیا۔ مگر شام بن عبدالملک نے اپنے خاندان کی روایت کو پھر بحال کر دیا۔ حافظ ابن کثیر کہتے ہیں کہ دیت کے معاملہ میں بھی حضرت معاویہ نے سنت کو بدل دیا سنت یہ تھی کہ معاہد کی دیت مسلمان کے برابر ہوگی، مگر حضرت معاویہ نے اُس کو نصف کر دیا اور باقی نصف خود یعنی شروع کر دی۔

ایک اور نہایت مکروہ بدعت حضرت معاویہ کے عہد میں یہ شروع ہوئی کہ وہ خود، اور ان کے حکم سے ان کے تمام گورنر، خطیبوں میں برابر منبر حضرت علی رضی اللہ عنہ پر سبت و شتم کی بوجھا کر دیتے تھے، حتیٰ کہ مسجد نبوی میں منبر رسول پر عین روضہ نبوی کے سامنے حضور کے محبوب ترین عزیز کو گالیاں دی جاتی تھیں اور حضرت علیؑ کی اولاد اور ان کے قریب ترین رشتہ دار اپنے کانوں سے یہ گالیاں سنتے تھے۔

۲۳۔ البدایہ والنہایہ ج ۸، ص ۱۳۹- ج ۹، ص ۲۳۲

۲۴۔ ایضاً، ج ۸، ص ۱۳۹- ابن کثیر کے الفاظ یہ ہیں: وکان معاویہ اول من قهر الی النصف اخذ النصف

۲۵۔ الطبری جلد ۴، ص ۱۸۸- ابن الاثیر ج ۳، ص ۲۲۲- ج ۴، ص ۱۵۴- البدایہ، ج ۸، ص ۲۵۹، ج ۹، ص ۸۰-

کسی کے مرنے کے بعد اُس کو گالیاں دینا، شریعت تو درکنار انسانی اخلاق کے بھی خلاف تھا اور خاص طور پر جمعہ کے خطبے کو اس گندگی سے آلودہ کرنا تو دین و اخلاق کے لحاظ سے سخت گھناؤنا فعل تھا۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز نے اگر اپنے خاندان کی اس روایت کو بھی بدلا اور خطبہ جمعہ میں نبی علی کی جگہ یہ آیت پڑھنی شروع کر دی: اِنَّ اللّٰهَ يَآمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ وَيَنْهَىٰ ذِي الْقُرْبَىٰ وَيَنْهَىٰ عَنِ الْفَحْشَاءِ وَالْمُنْكَرِ وَالْبَغْيِ يَعِظُكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُونَ۔ (المحل ۹۰)

مالِ غنیمت کی تقسیم کے معاملہ میں بھی حضرت معاویہ نے کتاب اللہ و سنت رسول اللہ کے حریح احکام کی خلاف ورزی کی۔ کتاب و سنت کی رُو سے پورے مالِ غنیمت کا پانچواں حصہ بیت المال میں داخل ہونا چاہیے اور باقی چار حصے اُس فوج میں تقسیم کیے جانے چاہیں جو لڑائی میں شریک ہوئی ہو۔ لیکن حضرت معاویہ نے حکم دیا کہ مالِ غنیمت میں سے چاندی سونان کے لیے الگ نکال لیا جائے پھر باقی مال شرعی قاعدے کے مطابق تقسیم کیا جائے۔

زیاد بن سمیئہ کا استحقاق بھی حضرت معاویہ کے اُن افعال میں سے ہے جن میں انہوں نے سیاسی اغراض کے لیے شریعت کے ایک مسلم قاعدے کی خلاف ورزی کی تھی۔ زیاد طائف کی ایک لڑکی سمیئہ نامی کے پیٹ سے پیدا ہوا تھا۔ لوگوں کا بیان یہ تھا کہ زمانہ جاہلیت میں حضرت معاویہ کے والد جناب البوسفیان نے اس لڑکی سے زنا کا ارتکاب کیا تھا اور اسی سے وہ حاملہ ہوئی حضرت البوسفیان نے خود بھی ایک مرتبہ اس بات کی طرف اشارہ کیا تھا کہ زیاد انہی کے نطفہ سے ہے۔ جوان ہو کر یہ شخص اعلیٰ درجے کا مدبر، منتظم، فوجی لیڈر اور غیر معمولی قابلیتوں کا مالک ثابت ہوا۔ حضرت علیؑ کے زمانہ خلافت میں وہ آپ کا زبردست حامی تھا اور اس نے بڑی اہم خدمات انجام دی تھیں۔ اُن کے بعد حضرت معاویہ نے اس کو اپنا حامی و مددگار بنانے کے لیے اپنے والد ماجد کی زنا کاری پر شہادتیں لیں اور اس کا ثبوت بہم پہنچایا کہ زیاد انہی کا ولد الحرام ہے پھر اسی بنیاد پر اُسے

۲۷ طبقات ابن سعد ج ۴، ص ۲۸-۲۹۔ الطبری ج ۴، ص ۱۸۴۔ الاستیعاب، ج ۱، ص ۱۱۸ ابن الاثیر

ج ۳، ص ۲۳۲۔ البدایہ والنہایہ، ج ۸، ص ۲۹۔

اپنا بھائی اور اپنے خاندان کا فرد قرار دے دیا۔ یہ فعل اخلاقی حیثیت سے جیسا کچھ مکروہ ہے وہ تو ظاہر ہی ہے، مگر قانونی حیثیت سے بھی یہ ایک صریح ناجائز فعل تھا، کیونکہ شریعت میں کوئی نسبِ زنا سے ثابت نہیں ہوتا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا صاف حکم موجود ہے کہ: ”بچہ اُس کا ہے جس کے بستر پر وہ پیدا ہو، اور زانی کے لیے کنکر تھپر ہیں۔“ ام المؤمنین حضرت ام حبیبہؓ نے اسی وجہ سے اس کو اپنا بھائی تسلیم کرنے سے انکار کر دیا اور اس سے پرہیز فرمایا۔<sup>۲۸</sup>

حضرت معاویہ نے اپنے گورنروں کو قانون سے بالاتر قرار دیا اور ان کی زیادتیوں پر شرعی احکام کے مطابق کارروائی کرنے سے صاف انکار کر دیا۔ اُن کا گورنر عبداللہ بن عمرو بن عبیدان ایک مرتبہ بصرے میں منبر پر خطبہ دے رہا تھا۔ ایک شخص نے دورانِ خطبہ میں اس کو کنکر مار دیا۔ اس پر عبداللہ نے اس شخص کو گرفتار کرایا اور اس کا ہاتھ کٹوا دیا۔ حالانکہ شرعی قانون کی رو سے یہ ایسا جرم نہ تھا جس پر کسی کا ہاتھ کاٹ دیا جاتے۔ حضرت معاویہ کے پاس استغاثہ کیا گیا تو انہوں نے فرمایا کہ میں ہاتھ کی ویت تو بیت المال سے ادا کر دوں گا، مگر میرے عمال سے قصاص لینے کی کوئی سبیل نہیں۔<sup>۲۹</sup> زیاد کو جب حضرت معاویہ نے بصرے کے ساتھ کوفہ کا بھی گورنر مقرر کیا اور وہ پہلی مرتبہ خطبہ دینے کے لیے کوفہ کی جامع مسجد کے منبر پر کھڑا ہوا تو کچھ لوگوں نے اُس پر کنکر پھینکے۔ اُس نے فوراً مسجد کے دروازے بند کر دیئے اور کنکر پھینکنے والے تمام لوگوں کو درجن کی تعداد ۳۰ سے ۸۰ تک بیان کی جاتی ہے، گرفتار کر کے اسی وقت ان کے ہاتھ کٹوا دیئے۔ کوئی مقدمہ اُن پر نہ چلایا گیا۔ کسی عدالت میں وہ نہ پیش کیے گئے۔ کوئی باقاعدہ قانونی شہادت ان کے خلاف پیش نہ ہوئی۔ گورنر نے محض اپنے انتظامی حکم سے انہیں لوگوں کو قطعید کی منراد سے ڈالی جس کے لیے قطعاً کوئی شرعی جواز نہ تھا۔ مگر دربارِ خلافت سے اس کا بھی کوئی نوٹس نہ لیا گیا۔ اس سے بڑھ کر ظالمانہ

<sup>۲۸</sup> الاستیعاب، ج ۱، ص ۱۹۶۔ ابن الاثیر، ج ۲، ص ۲۲۴۔ البدایہ والنہایہ، ج ۸، ص ۶۸۔

<sup>۲۹</sup> ابن الاثیر، ج ۳، ص ۲۲۸۔ البدایہ، ج ۸، ص ۷۱۔

<sup>۳۰</sup> الطبری، ج ۴، ص ۱۷۵۔ ابن الاثیر، ج ۳، ص ۲۲۸۔

افعال کُسر بن ابی اَظْطَاه نے کیے جسے حضرت معاویہ نے پہلے حجاز و یمن کو حضرت علیؑ کے قبضے سے نکلانے کے لیے بھیجا تھا اور پھر سبذان پر قبضہ کرنے کے لیے مامور کیا تھا۔ اس شخص نے یمن میں حضرت علیؑ کے گورنر عبید اللہ بن عباس کے دو چھوٹے چھوٹے بچوں کو بکڑ کر قتل کر دیا۔ ان بچوں کی ماں اس صدمے سے دیوانی ہو گئی۔ بنی کنانہ کی ایک عورت جو یہ ظلم دیکھ رہی تھی، چیخ اٹھی کہ "مردوں کو تو تم نے قتل کر دیا، اب ان بچوں کو کس لیے قتل کر رہے ہو؟" بچے تو جاہلیت میں بھی نہیں مارے جاتے تھے۔ اے ابن اَظْطَاه، جو حکومت بچوں اور بڑھوں کے قتل اور بے رحمی و براہ کشتی کے بغیر قائم نہ ہو سکتی ہو اُس سے بُری کوئی حکومت نہیں ہے؛ اس کے بعد اسی ظالم شخص کو حضرت معاویہ نے سبذان پر حملہ کرنے کے لیے بھیجا جو اُس وقت حضرت علیؑ کے قبضے میں تھا۔ وہاں اُس نے دوسری زیادتیوں کے ساتھ ایک ظلمِ عظیم یہ کیا کہ جنگ میں جو مسلمان عورتیں پکڑی گئی تھیں، انہیں لوٹدیاں بنا لیا، حالانکہ شریعت میں اس کا قطعاً کوئی جواز نہیں۔ یہ ساری کارروائیاں گویا اس بات کا عملاً اعلان تھیں کہ اب گورنروں اور سپہ سالاروں کو ظلم کی کھلی چھوٹ ہے اور سیاسی معاملات میں شریعت کی کسی حد کے وہ پابند نہیں ہیں۔

سرکاٹ کر ایک جگہ سے دوسری جگہ بھیجنے اور انتقام کے جوش میں لاشوں کی بے حرمتی کرنے کا وحشیانہ طریقہ بھی، جو جاہلیت میں رائج تھا اور جسے اسلام نے مٹا دیا تھا، اسی دور میں مسلمانوں کے اندر شروع ہوا۔ سب سے پہلا سر جو زمانہ اسلام میں کاٹ کر لے جایا گیا وہ حضرت عمار بن یاسر کا سر تھا۔ امام احمد بن حنبل نے اپنی مُسنَد میں صحیح سند کے ساتھ یہ روایت نقل کی ہے اور ابن سعد نے بھی طبقات میں اسے نقل کیا ہے کہ جنگِ صفین میں حضرت عمار کا سر کاٹ کر حضرت معاویہ کے پاس لایا گیا اور دو آدمی اس پر جھگڑ رہے تھے، ہر ایک کہتا تھا کہ عمار کو میں نے قتل کیا ہے۔ مسند احمد

۱۰۱۔ الاستیعاب، ج ۱، ص ۶۵۔ الطبری، ج ۴، ص ۱۰۰۔ ابن الاثیر، ج ۳، ص ۱۹۳۔ البدایہ، ج ۸، ص ۹۰۔

۱۰۲۔ الاستیعاب، ج ۱، ص ۶۵۔ ابن عبد البر کہتے ہیں کہ یہ پہلا موقع تھا کہ مسلمانوں کی آپس کی جنگ میں گرفتار ہونے والی عورتیں لوٹدیاں بنائی گئیں۔

حدیث نمبر ۶۵۳۸، ۶۹۲۹- دارالمعارف، مصر، ۱۹۵۲- طبقات ابن سعد، ج ۳، ص ۲۵۳-  
اس کے بعد دوسرا سرِ غزویں الحقیق کا تھا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابیوں میں سے  
تھے، مگر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے قتل میں انہوں نے بھی حصہ لیا تھا۔ زیاد کی ولایتِ عراقی کے  
زمانہ میں ان کو گرفتار کرنے کی کوشش کی گئی۔ وہ بھاگ کر ایک غار میں چھپ گئے۔ وہاں ایک  
سانپ نے ان کو کاٹ لیا اور وہ مر گئے۔ تعاقب کرنے والے ان کی مردہ لاش کا سر کاٹ کر  
زیاد کے پاس لے گئے۔ اس نے حضرت معاویہ کے پاس دمشق بھیج دیا۔ وہاں اسے برسرِ عام  
گشت کرایا گیا اور پھر لے جا کر ان کی بیوی کی گود میں ڈال دیا گیا۔ ایسا ہی وحشیانہ سلوک مصر میں  
محمد بن ابی بکر کے ساتھ کیا گیا جو وہاں حضرت علیؑ کے گورنر تھے۔ حضرت معاویہ کا جب مصر پر قبضہ  
ہوا تو انہیں گرفتار کر کے قتل کر دیا گیا اور پھر ان کی لاش ایک مردہ گدھے کی کھال میں رکھ کر  
بلائی گئی۔ اس کے بعد تو یہ ایک مستقل طریقہ ہی بن گیا کہ جن لوگوں کو سیاسی انتقام کی بنا پر قتل  
کیا جائے ان کے مرنے کے بعد ان کی لاشوں کو بھی معاف نہ کیا جائے۔ حضرت حسین رضی اللہ  
کا سر کاٹ کر بلا سے کوفہ اور کوفہ سے دمشق لے جایا گیا، اور میدانِ کربلا میں ان کی لاش پر گھوڑے  
دوڑا کر اسے روندنا گیا۔ حضرت نعمان بن بشیر، جو زید کے زمانے تک بنی امیہ کے حامی رہے  
تھے، مروان کے زمانے میں حضرت عبداللہ بن زبیر کا ساتھ دینے کی وجہ سے قتل کیے گئے اور  
ان کا سر لے جا کر ان کی بیوی کی گود میں ڈالا گیا۔ حضرت مصعب بن زبیر کا سر کوفہ اور مصر میں  
پھرایا گیا، پھر دمشق لے جا کر اسے منظرِ عام پر لٹکا دیا گیا۔ اس کے بعد شام کے شہروں میں اسے

۳۲ طبقات ابن سعد، ج ۶، ص ۲۵- الاستیعاب، ج ۲، ص ۴۴۰- البدایہ، ج ۸، ص ۴۸

۳۳ الاستیعاب، ج ۱، ص ۲۳۵- الطبری، ج ۴، ص ۷۹- ابن الاثیر، ج ۳، ص ۱۸۰-

۳۴ الطبری، ج ۴، ص ۳۴۹- ۳۵۰- ۳۵۱- ۳۵۶- ابن الاثیر، ج ۳، ص ۲۹۹- ۲۹۸- البدایہ، ج ۸

ص ۱۸۹- ۱۹۰- ۱۹۱- ۱۹۲-

۳۵ طبقات ابن سعد، ج ۶، ص ۵۳- البدایہ، ج ۸، ص ۲۴۵

پھرانے کا ارادہ تھا، مگر خود عبدالملک بن مروان کی بیوی، عائکہ بنت زبید بن معاویہ نے اس پر سخت احتجاج کیا۔ اس نے کہا، جو کچھ تم نے اب تک کیا ہے کیا اس سے بھی تمہارا دل ٹھنڈا نہ ہوا؟ اب اس کی نمائش کیوں کرتے پھر یہ ہے ہو؟ پھر اس سر کو اتروا کر غسل دلویا اور دفن کرادیا۔ حضرت عبداللہ بن زبیر اور ان کے رفقاء عبداللہ بن صفوان اور عمارہ بن حزم کے ساتھ اس سے بھی زیادہ سخت و محنت و جاہلیت برتی گئی۔ ان کے سر کاٹ کر مکہ سے مدینہ، اور مدینہ سے دمشق لے جاتے گئے، جگہ جگہ ان کی نمائش کی گئی، اور مکہ میں ان کی لاشیں کٹی سوز تک سوئی پر ٹھکتی رہیں یہاں تک کہ وہ سڑ گئیں۔ قطع نظر اس سے کہ جن لوگوں کے مرنے کے بعد یہ سلوک ان کی لاشوں کے ساتھ کیا گیا وہ کس پائے کے لوگ تھے، سوال یہ ہے کہ کیا اسلام نے کسی کافر کے ساتھ بھی یہ بڑاؤ کرنا جائز رکھا ہے؟

یزید کے دور میں | حضرت معاویہ کے عہد میں سیاست کو دین پر بالا رکھنے اور سیاسی اغراض کے لیے شریعت کی حدیں توڑ ڈالنے کی جو ابتدا ہوئی تھی، اُن کے اپنے نامزد کردہ جانشین یزید کے عہد میں وہ بدترین نتائج تک پہنچ گئی۔ اس کے زمانہ میں تین ایسے واقعات ہوتے جنہوں نے پوری دنیائے اسلام کو لرزہ برانداز کر دیا۔

پہلا واقعہ سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت کا ہے۔ بلاشبہ وہ اہل عراق کی دعوت پر یزید کی حکومت کا تختہ الٹنے کے لیے نثریف لے جا رہے تھے اور یزید کی حکومت انہیں برسرِ نفاق و سمجھتی تھی۔ ہم اس سوال سے تھوڑی دیر کے لیے قطع نظر کیے لیتے ہیں کہ اصول اسلام کے لحاظ سے حضرت حسین کا یہ خروج جائز تھا یا نہیں۔ اگرچہ اُن کی زندگی میں اور اُن کے بعد صحابہ و تابعین میں سے کسی ایک شخص کا بھی یہ قول نہیں ملتا کہ ان کا خروج ناجائز تھا اور وہ ایک فعلِ حرام کا ارتکاب کرنے جا رہے تھے۔ صحابہ میں سے جس نے بھی ان کو نکلنے سے روکا تھا وہ اس بنا پر تھا

۳۷ ابن الاثیر، ج ۴، ص ۱۴

۳۸ الاستیعاب، ج ۱، ص ۳۵۳-۳۵۴۔ الطبری، ج ۵، ص ۳۳۳-۳۳۴۔ البدایہ، ج ۸، ص ۳۳۲۔

کہ تدبیر کے لحاظ سے یہ اقدام نامناسب ہے۔ تاہم اس معاملہ میں یزید کی حکومت کا نقطہ نظر ہی صحیح مان لیا جائے تب بھی یہ تو امر واقعہ ہے کہ وہ کوئی فوج لے کر نہیں جا رہے تھے۔ بلکہ ان کے ساتھ ان کے بال بچے تھے، اور صرف ۳۲ سوار اور ۴۰ پیادے۔ اسے کوئی شخص بھی فوجی پڑھائی نہیں کہہ سکتا۔ ان کے مقابلہ میں عمر بن سعد بن ابی وقاص کے تحت جو فوج کوفہ سے بھیجی گئی تھی اس کی تعداد ۴ ہزار تھی۔ کوئی ضرورت نہ تھی کہ اتنی بڑی فوج اس چھوٹی سی جمعیت سے جنگ ہی کرتی اور اسے قتل کر دالتی۔ وہ اسے محصور کر کے باسانی گرفتار کر سکتی تھی۔ پھر حضرت حسین نے آخر وقت میں جو کچھ کہا تھا وہ یہ تھا کہ یا تو مجھے واپس جانے دو، یا کسی سرحد کی طرف نکل جانے دو، یا مجھ کو یزید کے پاس لے چلو۔ لیکن ان میں سے کوئی بات نہ مانی گئی اور اصرار کیا گیا کہ آپ کو عبید اللہ بن زیاد کو کوفہ کے گورنر، ہی کے پاس چلنا ہوگا۔ حضرت حسین اپنے آپ کو ابن زیاد کے حوالہ کرنے کے لیے تیار نہ تھے، کیونکہ مسلم بن عقیل کے ساتھ جو کچھ وہ کر چکا تھا وہ انہیں معلوم تھا۔ آخر کار ان سے جنگ کی گئی۔ جب ان کے سارے ساتھی شہید ہو چکے تھے اور وہ میدان جنگ میں تنہا رہ گئے تھے، اُس وقت بھی ان پر حملہ کرنا ہی ضروری سمجھا گیا، اور جب وہ زخمی ہو کر گر پڑے تھے اُس وقت ان کو ذبح کیا گیا پھر ان کے جسم پر جو کچھ تھا وہ لوٹا گیا حتیٰ کہ ان کی لاش پر سے کپڑے تک اتار لیے گئے اور اس پر گھوڑے و ڈور اکرا سے روند آگیا۔ اس کے بعد ان کی قیام گاہ کو لوٹا گیا اور خواتین کے جسم پر سے چادریں تک اتار لی گئیں۔ اس کے بعد ان سمیت تمام شہدائے کربلا کے سر کاٹ کر کوفہ لے جائے گئے۔ اور ابن زیاد نے نہ صرف برسرِ عام ان کی نمائش کی بلکہ جامع مسجد میں منبر پر کھڑے ہو کر یہ اعلان کیا کہ الحمد للہ الذی اظہر الحق و اهلہ و نصر اصیبا المؤمنین یزید و حزبہ و قتل الکذاب ابن الکذاب الحسین بن علی و شیعنتہ پھر یہ سارے سر یزید کے پاس دشمن بھیجے گئے، اور اس نے بھرے دربار میں ان کی نمائش کی۔<sup>۳۹</sup> فرض کیجیے کہ حضرت حسین یزید کے نقطہ نظر کے

<sup>۳۹</sup> اس پوری داستان کی تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو الطبری ج ۴، ص ۳۵۶ تا ۳۵۹۔ ابن الاثیر ج ۳، ص ۲۸۲ تا ۲۸۹۔ اور البیہقی ج ۸، ص ۱۷۰ تا ۲۰۴۔ اس کے علاوہ میر اسحاق شہادت حسین بھی ملاحظہ ہو جس میں حضرت حسین کے فرج کے متعلق میں اپنا نقطہ نظر واضح کر دیا ہے۔



مطابق برسرِ بغاوت ہی تھے، تب بھی کیا اسلام میں حکومت کے خلاف خروج کرنے والوں کے لیے کوئی قانون نہ تھا؟ فقہ کی تمام مبسوط کتابوں میں یہ قانون لکھا ہوا موجود ہے۔ مثال کے طور پر ہفت ہدایہ اور اس کی شرح فتح القدیر باب البغاة میں اس کو دیکھا جاسکتا ہے۔ اس قانون کے لحاظ سے دیکھا جائے تو وہ ساری کارروائی جو میدانِ کربلا سے لیکر کوفہ اور دمشق کے درباروں تک کی گئی اس کا ایک بڑے قطعاً حرام اور سخت ظلم تھا۔ دمشق کے دربار میں جو کچھ یزید نے کیا اور کہا اس کے متعلق روایات مختلف ہیں لیکن اگر سب روایتوں کو چھوڑ کر یہی روایت صحیح مان لی جائے کہ وہ حضرت حسین اور ان کے ساتھیوں کے سر دیکھ کر آبدیدہ ہو گیا اور اس نے کہا کہ "میں حسین کے قتل کے بغیر بھی تم لوگوں کی طاعت سے راضی تھا، اللہ کی لعنت ہو ابنِ زیاد پر، خدا کی قسم اگر میں وہاں ہوتا تو حسین کو معاف کر دیتا" اور یہ کہ "خدا کی قسم آے حسین، میں تمہارے مقابلے میں ہونا تو تمہیں قتل نہ کرتا"۔ تو لازماً یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اس ظلمِ عظیم پر اس نے اپنے سر پھرے گورنر کو کیا سزا دی؟ حافظ ابن کثیر کہتے ہیں کہ اس نے ابن زیاد کو نہ کوئی سزا دی، نہ اسے معزول کیا، نہ اسے غلامت ہی کا کوئی خط لکھا۔ اسلام تو خیر بد جہا بلند چیز ہے، یزید میں اگر انسانی شرافت کی بھی کوئی رمت ہوتی تو وہ سوچتا کہ فتح مکہ کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُس کے پورے خاندان پر کیا احسان کیا تھا، اور اُس کی حکومت نے اُن کے نواسے کے ساتھ کیا سلوک کیا!

اس کے بعد دوسرا سخت المناک واقعہ جنگِ حرہ کا تھا جو ۳۳ھ کے آخر اور خود یزید کی زندگی کے آخری ایام میں پیش آیا۔ اس واقعہ کی مختصر رواد یہ ہے کہ اہل مدینہ نے یزید کو فاسق و فاجر اور ظالم قرار دے کر اُس کے خلاف بغاوت کر دی، اس کے عامل کو شہر سے نکال دیا اور عبداللہ بن خطلمہ کو اپنا سربراہ بنا لیا۔ یزید کو یہ اطلاع پہنچی تو اس نے مسلم بن عقیبہ المرثی کو جسے سلف صالحین مُسرت بن عقیبہ کہتے ہیں، ۱۲ ہزار فوج دے کر مدینہ پر چڑھائی کے لیے بھیج دیا، اور اسے حکم دیا کہ نین دن تک

بیمہ الطبری، ج ۴، ص ۳۵۲-۱ ابن الاثیر، ج ۳، ص ۲۹۸-۲۹۹

۱۴ البیہقی والہنایہ، ج ۸، ص ۲۰۳

اہل شہر کو اطاعت قبول کرنے کی دعوت دیتے رہنا، پھر اگر وہ نہ مانیں تو ان سے جنگ کرنا، اور جب فتح پالو تو تین دن کے لیے مدینہ کو فوج پر مباح کر دینا۔ اس ہدایت پر یہ فوج گئی۔ جنگ ہوئی۔ مدینہ فتح ہوا۔ اور اس کے بعد یزید کے حکم کے مطابق تین دن کے لیے فوج کو اجازت دے دی گئی کہ شہر میں جو کچھ چاہے کرے۔ ان تین دنوں میں شہر کے اندر ہر طرف لوٹ مار کی گئی، شہر کے باشندوں کا قتل عام کیا گیا جس میں، امام زہری کی روایت کے مطابق، سات سو مئزرین اور دس ہزار کے قریب عوام مارے گئے، اور غضب یہ ہے کہ وحشی فوجیوں نے گھروں میں گھس گھس کر بے دریغ عورتوں کی عصمت دری کی۔ حافظ ابن کثیر کہتے ہیں کہ حتی قبیل انہ جبلت الف امرأۃ فی نذک الایام من غیر زوج (کہا جاتا ہے کہ ان دنوں میں ایک ہزار عورتیں زنا سے حاملہ ہوئیں)۔ بالفرض اہل مدینہ کی بغاوت ناجائز ہی تھی، مگر کیا کسی باغی مسلمان آبادی، بلکہ غیر مسلم باغیوں اور حربی کافروں کے ساتھ بھی اسلامی قانون کی رو سے یہ سلوک جائز تھا؟ اور یہاں تو معاملہ کسی اور شہر کا نہیں، خاص مدینہ الرسول کا تھا جس کے متعلق نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے یہ ارشادات بخاری، مسلم، نسائی اور مسند احمد میں متعدد صحابہ سے منقول ہوتے ہیں کہ لا یرید احد المدینۃ لیسوعا الا اذ ابہ اللہ فی الناس ذوب الوصاص (مدینہ کے ساتھ جو شخص بھی برائی کا ارادہ کرے گا اللہ اسے جہنم کی آگ میں سیسے کی طرح گھلا دے گا) اور من اخاف اهل المدینۃ ظلماً اخافہ اللہ وعلیہ لعنۃ اللہ واملکتہ والناس اجمعین لا یقبل اللہ منہ یوم القیامتہ صدقاً ولا عدلاً رجشخص اہل مدینہ کو ظلم سے خوف زدہ کرے اللہ اسے خوف زدہ کرے گا۔ اس پر اللہ اور ملائکہ اور تمام انسانوں کی لعنت ہے۔ قیامت کے روز اللہ اس سے کوئی چیز اس گناہ کے فریے میں قبول نہ فرمائے گا)۔ حافظ ابن کثیر کہتے ہیں کہ انہی احادیث کی بنیاد پر علماء کے ایک گروہ نے یزید پر لعنت کو جائز رکھا ہے، اور ایک قول ان کی تائید میں امام احمد بن حنبل کا بھی ہے، مگر ایک دوسرا گروہ صرف اس لیے اس سے منع کرتا ہے کہ کہیں اس طرح اُس کے

۳۲۷ اس واقعہ کی تفصیلات کے لیے ملاحظہ ہوا الطبری، ج ۴، ص ۲۲ تا ۲۹، ابن الاثیر، ج ۳، ص ۲۱۰ تا

۳۱۳۔ البیہقی و المنہاج، ج ۸، ص ۲۱۹ تا ۲۲۱۔

والد یا صحابہ میں سے کسی اور پر لعنت کرنے کا دروازہ نہ کھل جائے۔ حضرت حسن بصری کو ایک مرتبہ یہ طعنہ دیا گیا کہ آپ جو نبی اُمیہ کے خلاف خروج کی کسی تحریک میں شامل نہیں ہوتے تو کیا آپ اہل شام (یعنی نبی اُمیہ) سے راضی ہیں؟ جواب میں انہوں نے فرمایا: میں اور اہل شام سے راضی ہوں، خدا اُن کا ناس کرے، کیا وہی نہیں ہیں جنہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حرم کو حلال کر لیا اور تین دن تک اُس کے ہاتھوں کا قتل عام کرتے پھرے، اپنے بطنی اور قبطنی سپاہیوں کو اس میں سب کچھ کر گزرنے کی چھوٹ دے دی اور وہ شریف و پندار خواتین پر حملے کرتے رہے اور کسی حرمت کی ہتک

۲۳۔ البدایہ، ج ۸، ص ۲۲۳۔ امام احمد بن حنبل کے جس قول کا حوالہ ابن کثیر نے دیا ہے اس کی تفصیل یہ ہے کہ ایک مرتبہ امام احمد کے صاحبزادے عبداللہ نے اُن سے پوچھا: زید پر لعنت کرنے کا کیا حکم ہے؟ انہوں نے جواب دیا: میں کیسے اس شخص پر لعنت نہ کروں جس پر خدا نے لعنت کی ہے۔ اور اس کے ثبوت میں انہوں نے یہ آیت پڑھی:

فَقُلْ عَسَىٰ أَنْ تَكُونُوا أَنْ تَقْسِدُوا فِي الْأَرْضِ وَتَقَطِّعُوا أَرْحَامَكُمْ وَأُولَٰئِكَ الَّذِينَ لَعَنَهُمُ اللَّهُ وَمَضَىٰ

آیت ۲۲-۲۳) پھر تم سے اس کے سوا اور کیا توقع کی جاسکتی ہے کہ اگر تم فرماؤ اور ہو گئے تو زمین میں فساد برپا کر گے اور قطع رحمی کرو گے؟ ایسے ہی لوگ وہ ہیں جن پر اللہ نے لعنت کی ہے۔ یہ آیت پڑھ کر امام نے فرمایا اُس سے بڑا فساد اور اُس سے بڑی قطع رحمی اور کیا ہوگی جس کا ارتکاب زید نے کیا۔ امام احمد کے اس قول کو محمد بن عبدالرسول البرزنجی نے الاشاعری اثر الساعہ میں اور ابن حجر البہقی نے الصواعق المحرقة میں نقل کیا ہے۔ مگر علامہ سفارینی اور امام ابن تیمیہ کہتے ہیں کہ زیادہ معتبر روایات کی رو سے امام احمد زید پر لعنت کرنے کو پسند نہیں کرتے تھے۔ علامہ اہل السنہ میں سے جو لوگ جواز لعنت کے قائل ہیں ان میں ابن جوزی، قاضی ابویعلیٰ، علامہ نقضازانی اور علامہ جلال الدین سیوطی نمایاں ہیں، اور عدم جواز کے قائلین میں نمایاں ترین بزرگ امام غزالی اور امام ابن تیمیہ ہیں۔ میرا اپنا میلان اس طرف ہے کہ صفات ملعونہ کے حاملین پر جامع طریقہ سے تو لعنت کی جاسکتی ہے۔ مثلاً یہ کہا جاسکتا ہے کہ ظالموں پر خدا کی لعنت، مگر کسی شخص خاص پر متعین طریقہ سے لعنت کرنا مناسب نہیں ہے، کیونکہ اگر وہ زندہ ہو تو ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اسے بعد میں توبہ کی توفیق عطا فرمائے، اور اگر مر چکا ہو تو ہم نہیں جانتے کہ اس کا خاکہ کس چیز پر ہوتا ہے۔ اس لیے ہمیں ایسے لوگوں کی غلط کاموں کی غلط کہنے پر اکتفا کرنا چاہیے اور لعنت پر ہمیں یہی ہدایت

کرنے سے نہ رُکے۔ پھر بیت اللہ پر چڑھ دوڑے، اس پر سنگ باری کی اور اس کو آگ لگائی۔ ان پر خدا کی لعنت ہو اور وہ بُرا انجام دیکھیں۔

تیسرا واقعہ وہی ہے جس کا حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ نے آخر میں ذکر کیا ہے۔ مدینہ سے فارغ ہونے کے بعد وہی فوج جس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حرم میں یہ اودھم مچایا تھا حضرت زبیر سے لڑنے کے لیے مکہ پر حملہ آور ہوئی اور اس نے منجیقین لگا کر خانہ کعبہ پر سنگباری کی جس سے کعبہ کی ایک دیوار شکستہ ہو گئی۔ اگرچہ روایات یہ بھی ہیں کہ انہوں نے کعبہ پر آگ بھی برساتی تھی۔ لیکن آگ لگنے کے کچھ دوسرے وجوہ بھی بیان کیے جاتے ہیں۔ البتہ سنگ باری کا واقعہ متفق علیہ ہے۔

ان واقعات نے یہ بات بالکل واضح کر دی کہ یہ حکمراں اپنے اقتدار اور اس کے بقا و تحفظ کو ہر چیز پر مقدم رکھتے تھے، اور اس کے لیے انہیں کسی حد کو بچاند جانے اور بڑی سے بڑی حرمت کو توڑ ڈالنے میں بھی باک نہ تھا۔

دولت بنی مروان میں | اس کے بعد مروان اور اس کی اولاد کا دور حکومت آیا اور اس میں دین سے سیاست کی آزادی، بلکہ سیاست پر دین کے احکام و حدود کی قربانی انتہا کو پہنچ گئی۔ عبد الملک بن مروان اگرچہ بڑے درجے کے فقہاء میں سے تھا، بادشاہت سے پہلے اسے مدینہ میں حضرت سعید بن المسیب، عروہ بن زبیر، اور قبیصہ بن ذؤیب کے مرتبے کا فقیہ سمجھا جاتا تھا، اور یزید کے زمانہ میں اس نے کعبہ پر سنگ باری کے خلاف سخت ناراضی کا اظہار کیا تھا، مگر جب وہ خود خلیفہ ہوا تو اس نے حضرت عبداللہ بن زبیر کے خلاف جنگ کے لیے حجاج بن یوسف کو مکہ بھیج دیا۔ اس ظالم نے حین حج کے زمانہ میں مکہ معظمہ پر چڑھائی کی جبکہ زمانہ جاہلیت میں کفار مشرکین بھی جنگ سے ہاتھ روک بیٹھے تھے۔ کہہ ابو قبیس پر منجیقین لگا کر خانہ کعبہ پر سنگ باری کی

۴۴ ابن الاثیر، ج ۴، ص ۱۷۰

۴۵ الطبری، ج ۴، ص ۳۸۳۔ ابن الاثیر، ج ۳، ص ۳۱۶۔ البدایہ، ج ۸، ص ۲۲۵

حضرت عبداللہ بن عمر کے سخت اصرار پر یہ سنگ باری صرف اتنی دیر کے لیے روکی گئی کہ باہر سے آتے ہوئے حجاج طواف وسیعی کر لیں۔ لیکن نہ اُس سال کے حج میں مکہ کے لوگ مٹی اور عرفات جاسکے اور نہ خود حجاج کی فوج کے لوگ طواف وسیعی کر سکے۔ باہر سے آنے والوں نے جب طواف زیارت کر لیا تو حجاج نے اعلان کیا کہ سب حاجی نکل جائیں اور از سر نو سنگ باری شروع کر دی۔ پھر فتح کے بعد جو کچھ عبداللہ بن زبیر، عبداللہ بن صفوان اور عمارہ بن حزم کے سروں اور ان کی لاشوں کے ساتھ کیا گیا اس کا ذکر ہم پہلے کر چکے ہیں۔

عبدالملک اور اس کے بیٹے ولید کے زمانے کی سب سے بڑی لعنت حجاج کی گورنری تھی جسے ۲۰ سال تک ظلم و ستم کی کھلی چھوٹ ملی رہی۔ اگرچہ کوئی انسان بھی دنیا میں مجتم شمر نہیں ہوتا اور حجاج بن یوسف بھی خیر سے بالکل خالی نہ تھی۔ قرآن پر اعراب لگوانا اس کی وہ نیکی ہے جس کی تعریف رہتی دنیا تک کی جائے گی۔ سندھ کی فتح بھی اسی کے کارناموں میں سے ہے جس کی بدولت آج اس سرزمین میں اللہ کا نام لینے والے پائے جاتے ہیں۔ مگر کسی شخص کی ساری نیکیاں بھی ایک مومن کے قتلِ ناحق کی ہم وزن نہیں ہو سکتیں، کجا کہ وہ ظلم و ستم جس کا ارتکاب اس نے اپنے طویل دورِ حکومت میں کیا۔ مشہور امام قراءت عاصم بن ابی الجعد کہتے ہیں کہ "اللہ کی حرمتوں میں سے کوئی حرمت ایسی نہیں رہ گئی جس کا ارتکاب اس شخص نے نہ کیا ہو" حضرت عمر بن عبدالعزیز کہتے ہیں کہ "اگر دنیا کی تمام قومیں خباثت کا مقابلہ کریں اور اپنے اپنے سارے خبیثت لے آئیں تو ہم تنہا حجاج کو پیش کر کے ان پر بازی لے جاسکتے ہیں" حضرت عبداللہ بن مسعود کو وہ سردارِ منافقین کہتا تھا۔ اس کا قول تھا کہ "اگر ابن مسعود مجھے مل جاتے تو میں ان کے خون سے زمین کی پیاس بجھاتا" اس نے اعلان کیا تھا کہ "ابن مسعود کی قراءت پر کوئی شخص قرآن پڑھے گا تو میں اس کی گردن مار دوں گا اور مصحف میں سے اُس قراءت کو اگر سوراخ کی ٹڈی سے بھی چھیلنا پڑے تو چھیل دوں گا" اس نے حضرت انس بن مالک اور حضرت سہیل بن سعد ساعدی جیسے بزرگوں کو گالیاں دیں اور ان کی گردنوں پر چہرے لگائیں۔

اُس نے حضرت عبداللہ بن عمر کو قتل کی دھمکی دی۔ وہ علانیہ کہتا تھا کہ اگر میں لوگوں کو مسجد کے ایک دروازے سے نکلنے کا حکم دوں اور وہ دوسرے دروازے سے نکلیں تو میرے لیے اُن کا خون حلال ہے۔ اس کے زمانہ میں جو لوگ قید کی حالت میں کسی عدالتی فیصلے کے بغیر قتل کیے گئے صرف ان کی تعداد ایک لاکھ ۲۰ ہزار بتائی جاتی ہے۔ جب وہ مراہے تو اس کے قید خانوں میں ۸۰ ہزار بے قصور انسان کسی مقدمے اور کسی عدالتی فیصلے کے بغیر مڑ رہے تھے۔ اور یہ ظالم گورنر تھا جس کے حق میں عبدالملک نے اپنی اولاد کو مرتے وقت وصیت کی کہ ”حجاج بن یوسف کا ہمیشہ لحاظ کرتے رہنا، کیونکہ وہی ہے جس نے ہمارے لیے سلطنت ہموار کی، دشمنوں کو مغلوب کیا، اور ہمارے خلاف اٹھنے والوں کو دبا دیا۔“ یہ وصیت اُس ذہنیت کی پوری نمائندگی کرتی ہے جس کے ساتھ یہ لوگ حکومت کر رہے تھے۔ ان کی نگاہ میں اصل اہمیت ان کے اپنے اقتدار کی تھی۔ اُس کا قیام و استحکام جس ذریعہ سے بھی ہو، ان کے نزدیک مستحسن تھا، قطع نظر اس سے کہ شریعت کی تمام حدیں اس کی خاطر توڑ ڈالی جائیں۔

یہ ظلم و ستم اس حد کو پہنچ گیا تھا کہ ولید بن عبدالملک کے زمانہ میں ایک مرتبہ حضرت عمر بن عبدالعزیز چیخ اٹھے کہ ”عراق میں حجاج، شام میں ولید، مصر میں قمر بن شریک، مدینہ میں عثمان بن حنیان، مکہ میں خالد بن عبداللہ القسری، خداوند تیرے دنیا ظلم سے بھر گئی ہے، اب لوگوں کو راحت دے۔“ سیاسی ظلم کے علاوہ یہ لوگ عام دینی معاملات میں بھی بُری حد تک انحراف پسند ہو گئے تھے۔ نمازوں میں غیر معمولی تاخیر ان کا معمول تھا۔ جمعہ کا پہلا خطبہ بیٹھ کر دیتے تھے۔ اہل صعدین میں نماز سے پہلے خطبہ دینے کا طریقہ قرآن

۱۳۳- البدایہ، ج ۹، ص ۲-۸۳- ۹۱- ۱۲۵- ۱۲۹- ۱۳۱ تا ۱۳۸

۱۳۳- البدایہ، ج ۹، ص ۲-۸۳- ۹۱- ۱۲۵- ۱۲۹- ۱۳۱ تا ۱۳۸

۱۳۳- البدایہ، ج ۹، ص ۲-۸۳- ۹۱- ۱۲۵- ۱۲۹- ۱۳۱ تا ۱۳۸

۱۳۳- البدایہ، ج ۹، ص ۲-۸۳- ۹۱- ۱۲۵- ۱۲۹- ۱۳۱ تا ۱۳۸

۱۳۳- البدایہ، ج ۹، ص ۲-۸۳- ۹۱- ۱۲۵- ۱۲۹- ۱۳۱ تا ۱۳۸

۱۳۳- البدایہ، ج ۹، ص ۲-۸۳- ۹۱- ۱۲۵- ۱۲۹- ۱۳۱ تا ۱۳۸

نے اختیار کیا اور اس کے خاندان کے لیے یہ مستقل سنت بن گیا۔<sup>۵۲</sup>

عمر بن عبدالعزیز ابنی امیہ کی حکومت کے پورے ۹۲ سالہ دور میں حضرت عمر بن عبدالعزیز کی خلافت کے ڈھائی سال تاریکی میں روشنی کی حیثیت رکھتے ہیں۔ ان کی زندگی کا رخ جس واقعہ نے بدلا وہ تھا کہ ۹۳ھ میں، جبکہ وہ مدینہ کے گورنر تھے، ولید بن عبدالملک کے حکم سے حضرت عبداللہ بن زبیر کے صاحبزادے خبیب کو ۵۰ کھڑے لگائے گئے، پھر مدینہ کے موسم میں ان کے سر پر ٹھنڈے پانی کی مشک چھوڑ دی گئی، پھر ان کو دن بھر مسجد نبوی کے دروازے پر کھڑا رکھا گیا، آخر کار اسی وجہ سے ان کا انتقال ہو گیا۔<sup>۵۳</sup> یہ ایک صریح ظلم تھا اور ایک قطعاً غیر شرعی سزا تھی جس کا از کتاب گورنر کی حیثیت میں عمر بن عبدالعزیز کو کرنا پڑا، مگر اس کے بعد انہوں نے گورنری سے استعفا دیدیا اور ان پر سخت رنج اور خوفِ خدا مستط ہو گیا۔

۹۹ھ میں جب سلیمان بن عبدالملک کی خفیہ وصیت کی بنا پر وہ خلیفہ بنائے گئے تو انہوں نے پھر ایک مرتبہ دنیا کے سامنے خلافت اور بادشاہی کا فرق نمایاں کر کے رکھ دیا۔ بیعت کی پہلی تقریر جو انہوں نے کی اس کے الفاظ یہ ہیں:

”میں اس حکومت کی آزمائش میں ڈال دیا گیا ہوں بغیر اس کے کہ میں نے اسے

طلب کیا ہوتا، یا مجھ سے اس معاملہ میں رائے لی گئی ہوتی، یا مسلمانوں سے مشورہ یا

گیا ہوتا۔ تمہاری گردنوں میں میری بیعت کا جو قلابہ ہے اسے میں اتارے دیتا

ہوں۔ اب تم لوگ خود جسے چاہو اپنے معاملات کا سربراہ بنا لو۔“

مجمع نے بیک آواز کہا کہ ہم آپ ہی کو پسند کرتے ہیں، آپ کی حکومت پر ہم سب راضی ہیں

تب انہوں نے خلافت قبول کی اور فرمایا:

”درحقیقت اس امت میں کوئی اختلاف اپنے رب اور اپنے نبی اور اپنے

<sup>۵۲</sup> الطبری، ج ۶، ص ۲۶- البیہ، ج ۸، ص ۲۵۸- ج ۱۰، ص ۳۱- ابن الاثیر، ج ۴، ص ۳۰۰

<sup>۵۳</sup> البیہ، ج ۹، ص ۸۷-

دین کی کتاب کے بارے میں نہیں ہے بلکہ دینار و درہم کے معاملہ میں ہے۔ خدا کی قسم، میں کسی کو نہ باطل طریقے سے دوڑنگا، نہ کسی کا جائز حق روکوں گا۔ لوگو، جو اللہ کی اطاعت کرے اس کی اطاعت واجب ہے، اور جو اللہ کی اطاعت نہ کرے اس کے لیے کوئی نعمت نہیں۔ جب تک میں اللہ کا مطیع رہوں، میری اطاعت کرو، اور جب میں اللہ کا نافرمان ہو جاؤں تو میری اطاعت ہرگز تم پر لازم نہیں ہے۔

اس کے بعد انہوں نے ایک نخت وہ تمام شاہانہ طور طریقے ختم کر دیئے جو ان کے آبا و اجداد نے اختیار کر رکھے تھے اور وہ طرز زندگی اختیار کیا جو خلفائے راشدین کے طرز سے مشابہ تھا۔ پھر وہ تمام جائدادیں واپس کیں جو خود ان کو ناجائز طریقے سے وراثت میں ملی تھیں، حتیٰ کہ اپنی بیوی کے زیورات اور جو اہر وغیرہ بھی بیت المال میں داخل کر دیئے، اور ۴۴ ہزار دینار سالانہ کی جائداد میں سے صرف ۴ سو دینار سالانہ کی جائداد اپنے پاس رہنے دی جو جائز طور پر ان کی ملکیت تھی۔ اس طرح سب سے پہلے خود اپنا حساب خدا اور امت سے صاف کرنے کے بعد انہوں نے اعلان کیا کہ شاہی خاندان اور اس کے امراء میں سے جس کے خلاف بھی کسی کا دعویٰ ہو وہ اپنی شکایت پیش کرے، اور جس جس نے بھی ثابت کر دیا کہ کوئی چیز اس سے غضب کی گئی تھی اس کا حق اُسے واپس دلویا۔ اس پر نبی اُمیہ کے گھروں میں کہرام مچ گیا اور انہوں نے عمر بن عبدالعزیز کی پھوپھی فاطمہ بنت مروان کو، جس کا وہ بہت ادب لحاظ کرتے تھے، ان کے پاس بھیجا تاکہ وہ انہیں اس کام سے روکے۔ مگر انہوں نے اس کو جواب دیا کہ ”جب فرمانروا کے اپنے عزیز قریب ظلم کریں اور فرمانروا اس کا ازالہ نہ کرے تو وہ دوسروں کو کیا منہ لے کر ظلم سے روک سکتا ہے۔“ اس نے کہا ”تمہارے خاندان کے لوگ تمہیں منسوب کرتے ہیں کہ اس روش کا تمہیں سخت خمیازہ بھگتنا پڑے گا۔“ انہوں نے جواب دیا ”قیامت کے خوف سے بڑھ کر اگر مجھے کسی چیز کا خوف ہو تو میں دعا کرتا ہوں کہ مجھے

۵۴ البدایہ، ج ۹، ص ۲۱۲-۲۱۳

۵۵ البدایہ، ج ۹، ص ۲۰۰-۲۰۸- ابن الاثیر، ج ۴، ص ۱۵۳-۱۶۴



اُس چیز سے امن نصیب نہ ہو۔ آخر کار وہ مایوس ہو کر ٹپٹی اور اس نے اپنے کفن کے لوگوں سے کہا: یہ سب تمہارا اپنا کیا دھرا ہے تم عمر بن خطاب کے خاندان کی لڑکی بیاہ لاتے، آخر کار لڑکا اپنے نانا پر چلا گیا۔<sup>۱</sup> (واضح رہے کہ حضرت عمر بن عبدالعزیز کی والدہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی پوتی تھیں)۔

اُن کے احساس ذمہ داری کا یہ حال تھا کہ اپنے پیش رو سلیمان بن عبدالملک کو دفن کر کے جب پلٹے تو بڑے نکلین دکھائی دے رہے تھے۔ لوگوں کو حیرت ہوئی کہ بادشاہی طے پر خوش ہونے کے بجائے اٹے رنجیدہ ہیں پوچھا گیا کہ اس رنج و غم کا سبب کیا ہے۔ فرمایا ”مشرق سے مغرب تک پھیلی ہوئی اس امت محمد کا ایک شخص بھی ایسا نہیں ہے جس کا حق اُس کی طلب کے بغیر ٹھہرا ادا کرنا نہ ہو۔“

ان کی بیوی کا بیان ہے کہ میں ان کے کمرے میں گئی تو دیکھا کہ جانناز پر بیٹھے رو رہے ہیں۔ میں نے پوچھا آپ کو کیا ہوا؟ انہوں نے جواب دیا ”میں نے امت محمد کے معاملات اپنے سر لے لیے ہیں۔ سوجنا ہوں کہ کوئی بھوکا فقیر ہے۔ کوئی بے کس مریض ہے۔ کوئی مظلوم مقہور ہے۔ کوئی غریب قیدی ہے۔ کوئی بوڑھا ضعیف ہے۔ کوئی عیالدار مفلس ہے۔ غرض ملک کے ہر گوشے میں اس طرح کے لوگ پھیلے ہوتے ہیں۔ میں جانتا ہوں کہ میرا رب قیامت کے روز مجھ سے پوچھے گا کہ میں نے ان کے لیے کیا کیا، اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت میرے مقابلے میں مستغیث ہونگے۔ ڈرتا ہوں کہ کہیں مقدمہ میرے خلاف نہ ثابت ہو جائے۔ اس لیے اپنے آپ پر ترس کھا کر رو رہا ہوں۔“

انہوں نے ظالم گورنروں اور عالموں کو ہٹا کر ان کی جگہ اچھے حاکم مقرر کیے۔ وہ تمام ناجائز ٹیکس موقوف کیے جو بنی امیہ کے عہد میں وصول کیے جانے لگے تھے۔ مسلمان ہو جانے والوں پر جزیہ لگانے کا طریقہ بند کر دیا۔ اور اپنے حکام کو سخت تاکید کی کہ کسی مسلمان یا ذمی کو قانون کے خلاف کوڑے نہ لگاتے جائیں۔ اور کسی کو قتل یا ہاتھ کاٹنے کی سزا مجھ سے پوچھے بغیر

۱۵۶ ابن الاثیر ج ۴، ص ۱۶۴۔ البیہقی، ج ۹، ص ۲۱۴۔

۱۵۷ ابن الاثیر ج ۴، ص ۱۶۴۔

۱۵۸ ایضاً، ج ۴، ص ۱۶۵۔

ندوی جاسے۔

ان کے آخر عہد میں خارجیوں کے ایک گروہ نے ان کے خلاف علم بغاوت بلند کر دیا۔ انہوں نے اس گروہ کے سردار کو لکھا کہ خون خرابیے سے کیا حاصل ہے، اگر مجھ سے بحث کر لو، تم حق پر ہو گے تو میں مان لوں گا، میں حق پر ہوں تو تم مان لینا خارجی سردار نے یہ بات تسلیم کر لی اور دو آدمی بحث کے لیے بھیج دیئے۔ ان دونوں نے کہا ”ہم مانتے ہیں کہ آپ کا طریقہ آپ کے اہل خاندان سے مختلف ہے اور ان کے اعمال کو آپ مظالم سے تعبیر کرتے ہیں، مگر یہ کیا بات ہے کہ جب وہ ضلالت پر تھے تو آپ ان پر لعنت نہیں کرتے؟“ حضرت عمر بن عبدالعزیز نے جواب دیا ”کیا ان کی مذمت کے لیے یہ کافی نہیں ہے کہ میں ان کے اعمال کو مظالم کہتا ہوں؟ اس کے بعد آخر لعنت کرنا ہی کیوں ضروری ہے؟ تم نے فرعون پر کتنی مرتبہ لعنت کی ہے؟“ اس طرح حضرت عمر بن عبدالعزیز خارجیوں کی ایک ایک بات کا مسکت جواب دیتے چلے گئے۔ آخر ان میں سے ایک نے کہا ”کیا عادل آدمی یہ گوارا کر سکتا ہے کہ اس کا جانشین ایک ظالم ہو؟“ انہوں نے کہا نہیں۔ اس نے کہا ”کیا آپ اپنے بعد یزید بن عبدالملک کے حوالے یہ خلافت کر جائیں گے درانحالیکہ آپ جانتے ہیں کہ وہ حق پر قائم نہ رہے گا؟“ انہوں نے کہا کہ ”اس کے لیے تو میرا پیش رو رسولیمان بن عبدالملک، پہلے ہی میرے بعد ولی عہدی کی بیعت لے چکا ہے، اب میں کیا کر سکتا ہوں؟“ اس نے کہا ”کیا آپ کے خیال میں وہ شخص جس نے آپ کے بعد یزید بن عبدالملک کو نامزد کیا ہے اُسے ایسا کرنے کا حق تھا اور اس کا یہ فیصلہ برحق ہے؟“ اس پر عمر بن عبدالعزیز لا جواب ہو گئے اور مجلس برخاست ہونے کے بعد بار بار کہتے رہے کہ ”یزید کے معاملہ نے مجھے مار ڈالا، اس محبت کا میرے پاس کوئی جواب نہیں، خدا مجھے معاف کر لے۔“

بہی وہ واقعہ ہے جس کے بعد بنی امیہ کو یہ خطرہ پیدا ہو گیا کہ اب یہ خاندانی بادشاہت بھی ختم کر کے چھوڑیں گے اور خلافت کو شوروی کے حوالہ کر جائیں گے۔ اس کے تھوڑی مدت بعد ہی انہیں زہر دے کر ہلاک کر دیا گیا، اور پھر وہی سب کچھ ہونے لگا جو پہلے سے ہوتا چلا آ رہا تھا۔ (باقی)

۹۱۱ الطبری ج ۵، ص ۳۱۴ و ۳۱۵ و ۳۲۱ - ابن الاثیر ج ۴، ص ۱۵۸ - ۱۶۳

۱۱۱ الطبری ج ۵، ص ۳۱۱ - ابن الاثیر ج ۴، ص ۱۵۵ - ۱۵۶